سلسلۂ مطبوعات مجلس
۲۴۲

دینِ حق و دعوتِ اسلام

ایک فلک بوس اور سدا بہار درخت

وہ تقریر جو ۳ ر ستمبر ۱۹۹۱ء کو لیسٹر (LEICESTER) انگلستان کے اسلامک فاؤنڈیشن میں اہلِ علم اور دعوتی اور تحقیقی کام کرنیوالوں کے ایک وسیع مجمع میں کی گئی۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ

بار اوّل

۱۴۱۲ھ — ۱۹۹۲ء

کتابت ———— ظہیر احمد کاکوروی
طباعت ———— لکھنؤ پبلشنگ ہاؤس (آفسٹ)
صفحات ———— ۲۴
قیمت ————

باہتمام
محمد غیاث الدین ندوی

طابع وناشر
مجلس تحقیقات ونشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹ لکھنؤ
(ندوۃ العلماء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعارف

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمْ

خالِ معظم و محترم مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی آکسفورڈ یونیورسٹی میں قائم ہونے والے (CENTRE FOR ISLAMIC STUDIES) مرکزِ مطالعاتِ اسلامی کے جو ۱۹۸۵ء سے قائم ہے، صدر ہیں، اس سنٹر کے ارکان میں ممالک عربیہ اور ہندوستان کے متعدد نامور فضلاء، سربرآوردہ اہلِ علم اور تحقیقی و تاریخی کام کرنے والے اصحاب ہیں، ڈاکٹر فرحان احمد نظامی[1] (استاد آکسفورڈ یونیورسٹی) اس کے ڈائرکٹر و سکریٹری ہیں، ہر سال اکثر اگست کے مہینہ میں اس کا سالانہ جلسہ ہوتا ہے جس میں مولانا شرکت فرماتے ہیں، راقم سطور کو بھی مرکز کا ایک رکن ہونے کی حیثیت سے ان کی معیت میں سفر کرنا ہوتا ہے۔

اس سال (۱۹۹۱ء) میں بھی اس کے جلسہ میں شرکت کے لئے جو ۲۸، ۲۹ اور ۳۰ اگست کو آکسفورڈ ہی میں مرکز کے دفتر میں ہو رہا تھا، سفر کی نوبت آئی، اس سنٹر کی

[1] فرزند فاضل گرامی و مؤرخ کبیر پروفیسر خلیق احمد نظامی مصنف کتاب "تاریخ مشائخ چشت" و متعدد انگریزی اہم تصنیفات۔

مجالسِ انتظامی اور جلسۂ عام سے فراغت کے بعد مولانا کو انگلستان کی کئی دینی تنظیموں اور اسلامی مرکز کی طرف سے تشریف لانے اور خطاب کرنے کی دعوت دی گئی جن میں بری کا دارالعلوم، ڈیوزبری کا تبلیغی مرکز، اور لیسٹر (LEICESTER) کا اسلامک فاؤنڈیشن شامل تھا، مولانا نے تینوں جگہ خطاب کیا۔

۳ ستمبر ۱۹۹۱ء کو لیسٹر کے اسلامی مرکز (ISLAMIC FOUNDATION) جانا ہوا، وہاں مولانا کا خصوصی خیر مقدم کیا گیا اور مولانا نے مرکز کے ذمہ داروں کی استدعا اور فرمائش پر پہلے اردو میں پھر عربی میں تقریر کی جو ریکارڈ کر لی گئی[1]، یہ تقریر بہت سی حیثیتوں سے بڑی اہمیت و افادیت کی حامل ہے، قاری نے جلسہ کے افتتاح کے لئے جو آیات پڑھیں مولانا نے انھیں کو بنیاد اور موضوع بنایا اور ان کی روشنی میں حاضرین سے خطاب کیا، اور ان آیات کے اعجازی پہلوؤں اور رہنما اصولوں اور نتائج پر روشنی ڈالی، عزیزی سید جعفر مسعود ندوی سلّمہٗ نے اس کو کیسٹ سے جو انگلستان سے ساتھ آیا تھا اخذ کر کے تقریر قلمبند کی، مولانا نے اس پر نظر ڈالی اور اس میں معمولی لفظی ترمیم اور کہیں خفیف سے اضافہ کا کام کیا، اب وہ ناظرین کے سامنے استفادۂ عام کے لئے پیش کی جا رہی ہے، امید ہے کہ اس سے رہنمائی و ہدایت حاصل کی جائے گی اور اعجازِ قرآنی کا ایک نیا پہلو اور گوشہ سامنے آئے گا۔

واللہ الهادی إلی الصّواب والموفّق للتدبّر فی القرآن۔

سید محمد رابع ندوی
۶ رجمادی الاخری ۱۴۱۲ھ
۱۴ ردسمبر ۱۹۹۱ء

---

[1] اجتماع میں عرب طلبائے جامعات اور فضلاء خاصی تعداد میں موجود تھے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۝ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝

(سورۃ ابراہیم: ۲۴-۲۵)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا نے پاک بات کی کیسی مثال بیان فرمائی ہے؟ (وہ ایسی ہے) جیسے پاکیزہ درخت جس کی جڑ مضبوط (یعنی زمین کو پکڑے ہوئے) ہو اور شاخیں آسمان میں، اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت پھل لاتا (اور میوے دیتا) ہو، اور خدا لوگوں کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے کہ وہ نصیحت پکڑیں۔

حضرات!

میں یہاں حاضر ہوا تو مجھے یہاں کی سرگرمیوں اور یہاں کے دعوتی و تحقیقی کاموں کو دیکھنے کا شوق تھا اور میرے ذہن میں کوئی خاص مضمون نہیں تھا،

اور نہ یہ بات متعین تھی کہ مجھے کچھ عرض کرنا ہے، میں تو یہاں ایک زائر اور ایک استفادہ کرنے والے کی حیثیت سے آیا تھا، لیکن مجھے حکم ہوا کہ میں آپ کے سامنے کچھ عرض کروں، میں بیٹھنے کے بعد بالکل خالی الذہن تھا اور میں نے اس کو خدا پر چھوڑ دیا تھا، اور اس کا بارہا تجربہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ہوتی ہے، اور قرآن مجید ہر موقع پر مدد کرتا ہے، اور راستہ کھول دیتا ہے، اور نئی نئی حقیقتیں اور اپنے اعجاز کے نئے پہلو سامنے لاتا ہے، ابھی آپ کے سامنے جو آیت پڑھی گئی وہ تنہا کافی ہے، دنیا کے کسی عہد میں بھی دین کی دعوت کا، اسلام کے تعارف کا، اور لوگوں کو دنیا کے خطرات سے نکالنے کا، اور زندگی کو نہ صرف برباد کرنے بلکہ زندگی کو باعثِ اذیّت اور خدا سے بُعد کا ذریعہ بنانے کی آزمائش سے نکال کر نجات کے راستہ پر لگانے کا جب بھی ذکر کیا جائے گا تو یہ آیت اس کی رہنمائی کے لئے کافی ہے اور اس کے اندر قرآن مجید کا اعجاز جھلک رہا ہے۔

قرآن مجید جیسا کہ میں نے بعض مرتبہ عرض کیا کہ مجموعی حیثیت سے بھی وہ مُعجزہ ہے، اور انفرادی حیثیت سے بھی، یعنی ایک ایک آیت بھی اس کا الگ الگ معجزہ ہے بلکہ اگر میں (عربی زبان کے ایک طالب علم کی حیثیت سے) یہ کہوں کہ اس کا ایک ایک لفظ بھی مستقل معجزہ ہے تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ کسی ملک اور کسی عہد میں بھی دین کا کام کیا جائے، دین کے تعارف کا کام

کیا جائے، اسلام کی طرف دعوت دینے کا کام کیا جائے، اسلام کے محاسن کو پیش کرنے کا کام کیا جائے اور لوگوں کو زندگی اور زندگی کے بعد کے خطرات سے نکالنے کا کام کیا جائے، تو یہ آیت اس کی پوری تصویر کھینچ دیتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ۝ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝	کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا نے پاک بات کی کیسی مثال بیان فرمائی ہے؟ (وہ ایسی ہے) جیسے پاکیزہ درخت جس کی جڑ مضبوط (یعنی زمین کو پکڑے ہوئے) ہو اور شاخیں آسمان میں، اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت پھل لاتا (اور میوے دیتا) ہو اور خدا لوگوں کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔
(سورۃ ابراہیم ۔۲۴۔۲۵)	

اس آیت میں مکانی رقبہ بھی آگیا اور زمانی رقبہ بھی آگیا اور اس کی

بنیاد اور اس کا سرچشمہ بھی آگیا اور اس کے نقطۂ عروج اور جن بلندیوں تک اسلام کی دعوت پہنچ سکتی ہے اس کا ذکر بھی آگیا۔

آپ ایک درخت کی حقیقت پر غور کیجیے (کَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ) پہلی شرط تو یہ ہے کہ وہ اچھا درخت ہو "شَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ" ہو، اور یہ اللہ تعالیٰ کے یہاں شرط ہے کام کی کامیابی کے لئے، کتنی ہی بڑی ذہانت، اور کتنے بھی بلند مقاصد، کتنے ہی وسیع وسائل، کتنی ہی بڑی جمعیت، کتنی ہی بڑی تنظیم، کتنی ہی اپنے عہد کی علمی و صنعتی ترقیاں سب ساتھ ہوں تو وہ اللہ کے یہاں معتبر نہیں ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ مقصد صحیح ہو، دافع اور محرّک صحیح ہو اور وہ دعوت بذاتِ خود صحیح ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً۔	کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا نے پاک بات کی کیسی مثال بیان فرمائی ہے۔؟

پہلی شرط تو یہ ہے کہ کلمۂ طیبہ ہو، صرف کلمہ ہونا کافی نہیں، دنیا میں ایک بہت بڑی غلطی یہ ہوتی رہی ہے، ادبیات کی تاریخ بتاتی ہے، شاعری کی تاریخ بتاتی ہے، ذہانت و حکمت کی تاریخ بتاتی ہے، یونان کے فلسفہ و منطق کی تاریخ بتاتی ہے کہ لوگوں نے کلمہ کو کافی سمجھ لیا، کلمہ ہونا چاہیئے اور اس کے

اندر انسان کی ذہانت جھلکنی چاہیئے، اس کے اندر مضمون آفرینی ہونی چاہیئے، انسان کے مطالعہ کی گہرائی ہونی چاہیئے، اظہارِ بیان کی طاقت ہونی چاہیئے، دنیا میں زیادہ تر اسی پر زور دیا گیا ہے' آپ ساری دنیا کے ادبیات کا مطالعہ کریں تو آپ دیکھیں گے کہ ان سب میں "کلمہ" پر زور ہے "کلمۂ طیّبہ" پر زور نہیں۔

پہلی شرط تو یہ ہے کہ وہ کلمہ طیّبہ ہو، اس کا مقصد صحیح ہو' بات جو کہی جائے تو صرف اتنا کافی نہیں کہ وہ فصیح و بلیغ ہے' بعض لوگوں نے اس کو کافی سمجھا ہے' اگر آپ مذہبی، دینی نفسیات کی تاریخ پڑھیں اور دعوتوں کی تاریخ پڑھیں' تو بہت جگہ ایسا ہوا ہے کہ بہت سے لوگوں نے کلمہ کو کافی سمجھا ہے کہ بات اچھی طرح (TACTFULLY) کہی جارہی ہے، لیکن وہ خود بجائے خود صحیح ہے' اس کا رشتہ صحیح ہے' وہ خالقِ کائنات سے، الہام اور اس کی رہبری سے اخذ کی گئی ہے، وہ صُحُفِ سماویہ سے لی گئی ہے، وہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم سے ماخوذ ہے' یا صرف اس میں انسان کی فصاحت و بلاغت ہی ہے' اس کا زورِ بیان ہے' اس کی شاعری کی لطافت ہے؟

کلمۂ طیّبہ کی مثال دینے کے لئے دنیا میں سیکڑوں، ہزاروں چیزیں ہو سکتی تھیں' موتی، جواہرات، سونا، چاندی، پھول، پھل سب سے تشبیہ دی جاسکتی تھی، لیکن "کلمۂ طیّبہ" کے بارآور ہونے اور اس کے ثمردار ہونے

اور اخیر عہد تک اس کے کام کرتے رہنے کی مثال درخت سے بہتر نہیں ہوسکتی، درخت کے لئے بھی یہ شرط ہے کہ وہ شجرۂ طیّبہ ہو، یہ نہیں کہ آپ نیم کا درخت لگالیں اور آپ اس سے آم کی امید رکھیں، آپ کانٹے بوئیں اور آپ اس سے پھول کی توقع کریں، خود وہ شجرہ بھی طیّبہ ہونا چاہیئے جیسے کلمہ طیّبہ ہوتا ہے، اس کی تعریف میں کہا گیا ہے "کَشَجَرَةٍ طَیِّبَةٍ" اب اس کے بعد قرآن کا اعجاز ہے وہ کہتا ہے:۔

اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ۔ — جس کی جڑ مضبوط ہو اور شاخیں آسمان میں۔

آپ ان الفاظ کی وسعت اور ان کی لطافت پر غور کریں تو ان میں سب کچھ کہہ دیا گیا ہے، اس میں ادیانِ سماویّہ کی تاریخ آگئی، اس میں نبوّات اور پیغمبروں کی مساعی اور کوششوں کی تاریخ آگئی، اس میں ان روحانی تبدیلیوں اور انقلابات کی تاریخ آگئی جس کا احاطہ اس وقت تک نہیں کیا گیا، اور احاطہ کرنا مشکل ہے سیکڑوں نہیں، ہزاروں نہیں، لاکھوں مثالیں ایسی ہوں گی مخلصین کے کلام کی کہ جن کا کوئی ریکارڈ ہمارے سامنے نہیں ہے۔

تو ایک تو یہ کہ وہ ایسا شجرۂ طیّبہ ہو کہ "اَصْلُهَا ثَابِتٌ" اس کی جڑ تو زمین میں ہو گی "وَفَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ" اور اس کی شاخ آسمان سے

باتیں کرتی ہوگی، ایک انسان کی زبان سے کلمہ نکلے گا، لیکن وہ قوموں کی تقدیر بدل دے گا، زمانہ کا رُخ بدل دے گا، سوچنے کا طریقہ بدل دے گا، قوموں کی قومیں دینِ حق میں داخل ہوں گی۔

اس کے لئے میں ایک مثال جو اس وقت میرے ذہن میں آئی آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں کہ آپ یہ دیکھیں کہ ایک چھوٹا سا کلمہ کیا کام کرتا ہے؟ اس کے لئے میں عرض کردوں اپنے فاضل دوستوں کے سامنے کہ محض مطالعہ، محض ذہانت، محض پیش کرنے کا بہتر سے بہتر طریقہ، الفاظ کا انتخاب، انشاء پردازی، اور خطابت کا زور تنہا کافی نہیں ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ دل کی گہرائیوں سے نکلا ہو، اور اسلام کو جو اس وقت آپ دنیا میں پھیلا ہوا دیکھ رہے ہیں، اسلام کی جو فتوحات ہیں، ان میں ایک بہت بڑا عامل (FACTOR) یہ تھا کہ جو بات دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔ ؎

ہر چہ از دل خیزد بر دل ریزد

اس کی ایک مثال میں دیتا ہوں جو اس وقت میرے ذہن میں آئی ہے، مثالیں تو بہت ہیں، پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ (T. W. ARNOLD) نے اپنی کتاب ("PREACHING OF ISLAM") میں ایک واقعہ لکھا ہے، ترکی اور ایرانی تاریخوں میں بھی یہ واقعہ آیا ہے، لیکن تھوڑے فرق کے ساتھ، پہلے تو میں "آرنلڈ" کے بیان کو آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں، اس کے بعد پھر ترکی اور فارسی تاریخوں میں جو واقعہ مذکور ہے وہ بیان کروں گا۔

تو قلق[1] تیمور تاتاریوں کی ایک شاخ کا شاہزادہ تھا جس کا پایۂ تخت کاشغر تھا، آپ کو معلوم ہے کہ ساتویں صدی ہجری اور تیرہویں صدی عیسوی میں تاتاریو نے ترکستان اور ایران پر حملہ کیا اور پھر اس کے بعد وہ بغداد تک پہنچ گئے، اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور عالمِ اسلامی کی چولیں ہلادیں، ایسا نظر آنے لگا کہ اب اسلام دنیا میں ایک طاقت کی حیثیت سے باقی نہیں رہے گا، ان کی ایک شاخ (وہ مختلف شاخوں میں تقسیم ہوگئے تھے) جو ترکستان پر حکمراں تھی، (یہ بھی حسنِ اتفاق ہے کہ اس وقت ترکستان میں ایک نیا انقلاب ہوا ہے اور ہم اس حالت میں اس کا ذکر کررہے ہیں کہ اس کا نام لیتے سے ہمارے دل پر چوٹ نہیں لگتی) جس میں ایران بھی شامل تھا، اس کا وہ ولی عہد تھا، ابھی اس کی تاج پوشی نہیں ہوئی تھی تاج پوشی کے بعد وہ اس پورے قلمرو کا حکمراں ہوتا، وہ شکار کے لئے نکلا اور آپ کو معلوم ہے (شاید آپ میں سے بہت سے لوگ شکار کھیلے ہوں) کہ شکاریوں کے کچھ توہّمات ہوتے ہیں ان کے یہاں کچھ روایات ہوتی ہیں جن کی کوئی اصلیت نہیں وہ محض اتفاقات ہوتے ہیں۔[2]

---

[1] غالباً یہی نام بعد میں تغلق کے نام سے پکارا جانے لگا، محمد تغلق، فیروز تغلق شاہانِ دہلی ترکی النسل تغلق خاندان ہی سے تعلق رکھتے تھے۔

[2] ہمارے بچپن میں شکاریوں میں یہ مشہور تھا کہ شکار کے لئے نکلتے وقت اگر چھری یا چاقو کا نام لے لیا جائے تو شکار نہ ملے گا، یا جمعرات کو شکار کامیاب نہیں ہوتا، ممکن ہے کہ تاتاری اور مغل، ایرانیوں کو (مفتوح ہونے کی وجہ سے) ذلیل سمجھتے ہوں اور ان کو یہ وہم ہو کہ اگر کسی ایرانی پر نظر پڑگئی تو شکار نہیں ملے گا۔

لیکن خدا کو کچھ اور منظور تھا، تو قلق تیمور ہرن یا شیر کا شکار کرنا چاہتا تھا، اور اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ دین حق اس کو اپنا اسیر اور تابع بنالے اور تاتاریوں کی ایک پوری شاخ اسلام کی حلقہ بگوش بن جائے۔

تو قلق تیمور اپنی ولی عہدی کے زمانہ میں شکار کے لئے نکلا، ہر طرف پہرے بٹھادیئے گئے کہ کوئی باہر کا آدمی شکارگاہ میں داخل نہ ہونے پائے، ایک ایرانی بزرگ شیخ جمال الدین کہیں جارہے تھے، وہ نادانستہ اس شکارگاہ میں داخل ہوگئے، ان کو مشکیں باندھ کر شہزادہ کے سامنے حاضر کیا گیا، خان نے ان سے غضبناک ہوکر کہا کہ ایک ایرانی سے تو کتا ہی بہتر ہوتا ہے، شیخ نے کہا کہ ہاں یہ سچ ہے اگر ہم کو اللہ تعالیٰ دینِ حق کی نعمت و عزت نصیب نہ فرماتا تو ہم سے کتا ہی بہتر ہوتا، خان نے شیخ سے پوچھا کہ دینِ برحق کیا چیز ہے؟ شیخ نے اسلام کے عقائد ایسی گرم جوشی اور ایسے دینی ولولہ سے بیان کئے کہ اس کا پتھر کا دل موم کی طرح پگھل گیا، شیخ نے حالتِ کفر کا بھی ایسا ہیبتناک نقشہ کھینچا کہ خان پر لرزہ طاری ہوگیا، خان نے شیخ سے کہا کہ جب آپ سنیں کہ میری تاج پوشی ہوگئی تو آپ مجھ سے ضرور ملیں[1]۔

یہ دل سے نکلی ہوئی بات تھی اس لئے اس میں کوئی منطقی اثر ہو یا نہ ہو لیکن اس کے دل پر اس کا اثر پڑا، اور یہ من جانب اللہ بات تھی، یہیں اس لئے

---

[1] ملاحظہ ہو "دعوتِ اسلام" ترجمہ از ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ باب ہشتم ص ۲۳۵-۲۳۶

کہہ رہا ہوں کہ جب تک دعوت میں وہ دل شامل نہ ہو جو نورِ باطن سے منوّر اور دردمند ہے، اور وہ بات دل کی گہرائی سے نہ نکلی ہو تو اس کا وہ اثر نہیں ہو سکتا کہ زندگی میں انقلاب پیدا کر دے۔

یہ تو روایت ہے آرنلڈ کی، لیکن ترکی اور فارسی کے مآخذ میں جو زیادہ معتبر ہیں یہ ہے کہ اس نے ان سے پوچھا کہ کتّا زیادہ عزّت رکھتا ہے یا ایرانی؟ انھوں نے نہایت اطمینان سے یہ جواب دیا کہ ابھی اس کا فیصلہ نہیں ہو سکتا، اس نے کہا ابھی اس کا فیصلہ کیوں نہیں ہو سکتا؟ یا کہو کتّا زیادہ عزّت رکھتا ہے یا کہو کہ میں، وہ اس کی تیاری میں تھا کہ اگر وہ یہ کہہ دیتے کہ میں بہتر ہوں تو وہ تلوار سے ان کا سر اُڑا دیتا، اور اگر کہتے کہ کتّا زیادہ عزّت والا ہے تو کہتا کہ چلے جاؤ، اس نے کہا کہ اس میں انتظار کی کیا بات ہے؟ انھوں نے کہا کہ اگر میرا خاتمہ ایمان پر ہوا تو میں عزّت والا ہوں ورنہ یہ کتّا معزّز ہے، اس نے پوچھا کہ ایمان کیا ہوتا ہے؟ انھوں نے ایمان کی تشریح کی۔

اس کے بعد وہ برابر اس کے انتظار میں رہے کہ یہ اطلاع ملے کہ تغلق تیمور کی ناچیوتی ہو گئی ہو تو میں جاؤں اور یہ واقعہ یاد دلاؤں، لیکن ان کی قسمت میں نہیں تھا، جب وہ عالمِ سکرات میں تھے، آخری وقت تھا تو انھوں نے اپنے صاحبزادہ شیخ رشید الدین کو بلایا اور کہا کہ دیکھو بیٹا! میری قسمت میں تو یہ سعادت نہیں تھی، لیکن شاید تمھاری قسمت میں ہو، جب سُننا کہ

تو تغلق تیمور کی تاج پوشی ہوگئی اور وہ بادشاہ ہوگیا تو اس سے ملنا اور یہ واقعہ یاد دلانا۔

یہاں سے آرنلڈ اور ٹرنر کی کتابوں کا بیان مشترک ہے وہ یہ کہ جب شیخ رشیدالدین نے سنا کہ تغلق تیمور کی تاج پوشی ہوگئی تو وہ گئے، اس کے شاہی محل میں تو ان کو کون اندر جانے دیتا، جب ان کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو انھوں نے ذرا فاصلہ پر ایک درخت کے نیچے مُصلّیٰ بچھا لیا اور وہاں نماز پڑھنی شروع کی، جب نماز کا وقت آتا اذان دیتے اور نماز پڑھتے، اور وقتوں میں تو اذان کی آواز نہیں پہنچتی، لیکن فجر میں ایک دن جو کہ سناٹے کا وقت ہوتا ہے محل میں آواز آئی، اس نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ یہ کیسی مجنونانہ صدا ہے؟ یہ کیا صدائے بے ہنگام ہے؟ لوگوں نے کہا کہ بادشاہ سلامت! (وہ جس طرح بھی خطاب کرتے ہوں) ایک مجذوب سا شخص ہے، وہ کچھ اٹھتا بیٹھتا ہے، اور یہ آواز لگاتا ہے، اس نے کہا کہ پکڑ لاؤ اُسے، وہ لائے گئے تو اس نے کہا تم کون ہو؟ اور یہ کیا آواز لگاتے ہو؟ انھوں نے کہا آپ کو کچھ یاد ہے ایک مرتبہ آپ شکار میں گئے تھے، تو ایک ایرانی عالم آپ کو ملے تھے شیخ جمال الدین، ان سے آپ کا کچھ مکالمہ ہوا تھا، اس نے کہا کہ ہاں یاد ہے، انھوں نے کہا کہ میں یہ شہادت دینے آیا ہوں کہ ان کا ایمان پر خاتمہ ہوا، اس نے اسی وقت کلمہ پڑھا، آرنلڈ نے بھی یہ لکھا ہے

اور ترکی فارسی کتابوں میں بھی یہی لکھا ہے، اس نے کلمہ پڑھا اور اپنے ایک راز دار اور سربرآوردہ امیر کو بلایا اور تنہائی میں کہا کہ دیکھو میں نے اپنے متعلق فیصلہ کیا ہے کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں اب تم اپنے متعلق سوچو، انھوں نے کہا کہ حضور میں تو بہت دنوں سے مسلمان ہوں، آپ کے ڈر سے ظاہر نہیں کرتا تھا، اس کے بعد پھر اس طرح پوری کی پوری شاخ نسلاً فیصدی مسلمان ہو گئی[1]

میں عرض کر رہا تھا "کَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ" یہ محض اتفاقی لفظ نہیں ہے، قرآن مجید میں کوئی اتفاقی لفظ نہیں ہوتا، پہلی شرط یہ ہے کہ "شجرۂ طیّبہ" ہو، یہ نہیں کہ آپ برگد کا درخت لگا دیں، نیم کا درخت لگا دیں، کانٹے بو دیں اور آپ ان سے اچھے پھل پھول کی امید کریں۔

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ "شجرۂ طیّبہ" ہو، پھر اس شجرۂ طیبہ کی جو صفت خدا نے بیان کی وہ بالکل اس کے دین کی صفت ہے کہ "اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ" جڑ تمھیں نظر آئے گی زمین پر، اور شاخیں تمھیں نظر آئیں گی آسمان پر، اب آپ اسلام کی تاریخ پڑھئے کہ کس بے بسی کی حالت میں،

---

[1] تاتاری حملہ کی ہیبت ناکی اور پھر پوری تاتاری نسل و قوم کے قبول اسلام کی تفصیلات معلوم کرنے کے لئے ملاحظہ ہو، صاحب مقالہ کی کتاب "تاریخ دعوت و عزیمت" حصّہ اول کا باب "فتنۂ تاتار اور اسلام کی ایک نئی آزمائش" ص ۳۰۲-۳۳۴

کس بے سرو سامانی کی حالت میں، کس کمزوری کی حالت میں اس کی ابتدا ہوئی اور پھر اس کی شاخیں کہاں تک پہنچیں۔

"تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا" یہ بھی قرآن کا اعجاز ہے، ہر زمانہ میں وہ اللہ کے حکم سے پھل دیتا رہے گا، یہ محض "شجرۂ طیبہ" نہیں "شجرۂ طیبہ خالدہ" ہے، یہ زمانہ کے تغیرات کا تابع نہیں ہے، بہت سے درخت ہیں، جو اپنی عمر پوری کر لیتے ہیں، اور ختم ہو جاتے ہیں، جانور ان کو تباہ کر دیتے ہیں، اور خود ان کا لگانے والا کبھی ان کو کاٹ دیتا ہے، تو اس میں بتایا کہ اس کی مکانی وسعت تو یہ ہے کہ وہ زمین سے اٹھتا ہے اور آسمان تک جاتا ہے، یہ تو اس کی مکانی وسعت ہے، اور زمانی وسعت یہ ہے کہ "تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا" وہ اپنے پھل ہر زمانہ میں اللہ کے حکم سے دیتا ہے۔

اب آپ دیکھئے یہ برطانیہ ہے، جب اس کی حکومت ہندوستان کے برصغیر پر تھی تو کوئی تصور نہیں کر سکتا تھا کہ خاص اس کے دارالحکومت لندن میں اور اس کے قرب و جوار میں اسلامی مطالعہ کے مراکز قائم ہوں گے اور اسلام کی دعوت وہاں پیش کی جائے گی، ایک وقت تو ایسا آیا تھا کہ ہندوستان میں عیسائیت کے مبلغ (پادری) میدان میں آ گئے تھے، اور انھوں نے حکومت کو بھی یہ یقین دلا دیا تھا کہ یسوع مسیح نے ہم کو یہ ملک دیا ہے اور ہمیں ان کے مذہب کی تبلیغ کرنی چاہیئے، مسلمانوں کے (خاکم بدہن) ارتداد کا بڑے پیمانے پر خطرہ

پیدا ہو گیا تھا، اس کی بنا پر مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی نے "اظہار الحق" جیسی معرکۃ الآرا کتاب لکھی اور آگرہ میں پادری فنڈر سے اُن کا مناظرہ ہوا جس میں اس کو شکست فاش ہوئی، مولانا سید محمد علی مونگیریؒ نے اسی خطرہ سے ندوۃ العلماء کی تحریک چلائی، مجھے معلوم ہے کہ اس کے پس منظر (BACKGROUND) میں عیسائی مبلغین کی سرگرمیوں اور ان کے نتائج کا خطرہ کام کر رہا تھا، انھوں نے ایسے علماء و مبلغین کا تیار کرنا ضروری سمجھا جو دوسرے مذاہب کا مطالعہ کر سکیں، وہ کسی مغربی زبان (بالخصوص انگریزی سے) بھی واقف ہوں اور جغرافیہ اور تاریخ سے بھی آشنا ہوں، اور اس نئی نسل کو اس کی مانوس زبان میں خطاب کر سکیں اور مسائل حاضرہ میں مسلمانوں کی رہنمائی کریں۔

"تُؤْتِیْ اُکُلَهَا کُلَّ حِیْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا" ہر زمانہ میں وہ پھل دے گا اللہ کے حکم سے، آج آپ اپنی آنکھوں سے اس آیت کا تحقق دیکھ رہے ہیں کہ وہ شجرۂ طیبہ جو آخری رسول نے لگایا تھا اور جس کی جڑ زمین میں تھی، کہاں تھی؟ جزیرۃ العرب میں تھی، جو سیاسی حیثیت سے، فکری حیثیت سے، علمی حیثیت سے، اور مالی حیثیت سے، ہر حیثیت سے دنیا کا پسماندہ ترین علاقہ تھا، اور ساری دنیا سے کٹا ہوا تھا "اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ" اس کی شاخیں کہاں تک گئیں؟ اس کی شاخیں آسمان تک گئیں، آپ دیکھیں کہ اس کی اشاعت و فتوحات کے نتیجہ میں کتنی سلطنتیں پیدا ہوئیں، اس کے

نتیجہ میں کتنی دانش گاہیں، کتنی جامعات وجود میں آئیں، کتنے مراکزِ ہدایت وتربیت قائم ہوئے کتنے محقق پیدا ہوئے، کتنے مفکر پیدا ہوئے، کتنے ادیب پیدا ہوئے اور کتنا بڑا لٹریچر تیار ہوا، کسی ایک زبان میں بھی اگر آپ اس کا احاطہ کرنا چاہیں تو مشکل ہے، جو کلمہ کہا گیا تھا جزیرۃ العرب میں بیٹھ کر وہ کلمہ آج ساری دنیا میں پھیل رہا ہے، اور وہ اپنے پھل دے رہا ہے، شجرۂ طیبہ کی طرح پھل پھول رہا ہے۔

اس وقت کسی طویل تقریر کی ضرورت نہیں، اہلِ علم کا مجمع ہے، اہلِ فکر اور مطالعہ کرنے والوں کا مجمع ہے، میں عرض کروں گا کہ دعوت کے لئے دو تین چیزوں کی ضرورت ہے۔

ایک تو واقفیت کی ضرورت ہے کہ نفسیاتِ انسانی سے واقفیت ہو، اور زبان کی ضرورت ہے، زبان کی بڑی اہمیت ہے اور آپ حضرات نے بہت صحیح قدم اٹھایا ہے، میں اس کی داد دیتا ہوں اور اس کی تحسین کرتا ہوں کہ آپ نے بہتر سے بہتر انگریزی زبان میں اسلام کو پیش کرنے کا انتظام کیا ہے اور اس کے لئے آپ لوگوں کو تیار کر رہے ہیں، تو ایک تو عقلِ سلیم کی، ذہانت کی، ضرورت ہے، اور دوسرے زبان کی ضرورت ہے کہ اچھی سے اچھی زبان میں دعوت دی جائے، بہت سے حلقوں میں یہ غلط فہمی ہے کہ زبان کی کوئی اہمیت نہیں ہے، آدمی کو جس طرح بن پڑے،

اپنے خیالات ظاہر کر دینے چاہئیں، لیکن جب ہم سیّدنا عبدالقادر جیسے زاہد فی الدّنیا اور متوکّل علی اللہ اور ان سے پہلے امام حسن بصری کے مواعظ پڑھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ زبان کی کیا اہمیت ہے، اور انھوں نے زبان کو کیا اہمیت دی ہے اور کس زبان میں انھوں نے اپنے مخاطبین اور معاصر نسل کو خطاب کیا ہے کہ اس سے بہتر مشکل ہے، یہ مسلّم ہے عربی ادب کی تاریخ میں کہ حجّاج اور حسن بصری سے بڑا کوئی بلیغ نہ تھا، اور حسن بصری کو فوقیت حاصل ہے، حجاج پر، پھر اس کے بعد ہر دور میں آپ دیکھیں گے، حضرت علی مرتضیٰ رضؓ کو چھوڑ دیجیے وہ تو أبلغ البلغاء تھے، لیکن اس کے بعد ہر دور میں آپ دیکھیں گے، آپ ابن الجوزی کو لیجیے، اعلیٰ سے اعلیٰ زبان انھوں نے استعمال کی، اور تاریخ و ادب کے ایک مدرّس کی حیثیت سے بھی اور ادب کے نمونوں کو جمع کرنے والے ایک جامع کی حیثیت[1] سے بھی کہتا ہوں کہ جن کی طرف خیال بھی نہیں جا سکتا تھا ان کی کتابوں میں وہ ادبی ٹکڑے ملتے ہیں جن کو ادب کے شہ پارے (MASTER PIECE) کہنا چاہیے، ہم نے اس سلسلہ میں امام ابن تیمیہ کا بھی نام لیا ہے، اور شیخ محی الدین ابن عربی کا بھی نام لیا ہے، جہاں خیال بھی نہیں جا سکتا ہے،

---

[1] کتاب "مختارات من الأدب العربی" کی طرف اشارہ ہے، جو بہت سی ہندوستانی و عرب جامعات و مدارس میں داخلِ نصاب ہے۔

وہاں بھی آپ کو ایسے ادبی نمونے ملیں گے، پھر سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ سے بڑھ کر دنیا میں زاہد اور مدح و ذم سے بے پرواہ کون ہوگا، ان کے جو مواعظ محفوظ ہیں، ان کو دیکھئے اور میں یہ عرض کروں گا کہ بزرگوں کے مواعظ زیادہ قابل اعتبار ہیں، اس لئے کہ لوگوں نے تبرکاً ان کو جوں کا توں نقل کیا ہے، بادشاہوں کے فرامین یا ادباء کا کلام اتنا محفوظ نہیں ہے، اس کو لوگ بدل دیتے ہیں لیکن بزرگوں کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کو لوگ بجنسہٖ نقل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ ان میں برکت سمجھتے ہیں، یہ بات تاریخی و ادبی لحاظ سے بھی ایک واقعہ ہے کہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں پورے وثوق کے ساتھ کہ یہ انھیں کے الفاظ ہیں، اگر آپ ان کے مواعظ کے مجموعہ کو دیکھیں تو آپ کو حیرت ہوگی بعض مرتبہ معلوم ہوتا ہے کہ بادل گرج رہا ہے، اور بجلیاں کوند رہی ہیں، اور معلوم ہوتا ہے کہ اب بجلی گری، اب بجلی گری۔

تو ایک تو چیز ہے علم و معرفت، دوسری چیز ہے زبان کی تاثیر اور قوت، اور تیسری چیز ہے اخلاص و دردمندی، یعنی خود دل پر چوٹ ہو اور جو چیز نکلے صرف قلم سے نہ نکلے بلکہ قلب سے نکلے تب اس کا اثر ہوگا، اگر ہم نے ان "عناصر اربعہ" کا خیال رکھا تو مغربی ممالک ہیں، اور اس نئے بدلے ہوئے زمانہ میں اور مختلف زبانوں کے بولنے والوں میں تحریری و تقریری

طور پر دینِ صحیح کی دعوت ضرور اثر انداز ہوگی، اور اللہ تعالیٰ اس کے بہتر سے بہتر نتائج عطا فرمائے گا، اس میں ہمارے لئے بہت بڑی بشارت اور فالِ نیک ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: "تُؤْتِیْٓ اُکُلَهَا کُلَّ حِیْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا" ورنہ آدمی یہ کہتا کہ زمانہ گزر گیا، اب یہ بیسویں صدی ہے، دنیا نے کتنی ترقی کرلی ہے، سائنس، پالیٹکس، ٹکنالوجی کی ترقی کہاں سے کہاں پہنچی، ذہن و فکر کا معیار بدل گیا ہے، اب وہ زمانہ نہیں رہا، اب اس وقت اسلام کی دعوت کوئی اثر نہیں کرے گی، تو قرآن نے "تُؤْتِیْٓ اُکُلَهَا کُلَّ حِیْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا" کہہ کر تسلّی دی ہے اور تقویت کا سامان کیا ہے کہ کسی زمانہ کے، کسی جگہ کے لوگ یہ نہ سمجھیں کہ ہمارے اسلام کی دعوت دینے کا کیا فائدہ؟ قرآن نے "کُلَّ حِیْنٍ" کہہ کر زمانہ کی تحدید کو ختم کردیا۔

لیکن یہ سب اللہ کے ارادہ اور قدرت سے ہوگا اس نے "بِاِذْنِ رَبِّهَا" کہہ کر یہ بتادیا کہ اپنی ذہانت پر، اپنی زبان کی مہارت پر اعتماد نہ کرو، بلکہ یہ بھی سمجھو کہ اللہ ہی اگر چاہے گا تو اثر ہوگا، اس کے اندر دعوت کا پورا نقشہ آگیا ہے۔

میں اس کو محض اتفاقی بات نہیں کہوں گا، میں اتفاقات کا قائل نہیں، یہ بھی منجانب اللہ بات تھی، میں یہاں آکر اس کرسی پر بیٹھ گیا تھا اور میرا ذہن خالی تھا، میں نے سوچا کہ تقریر کہاں سے شروع کروں گا؟ قاری صاحب نے کو

اللہ جزائے خیر دے انھوں نے یہ آیت پڑھی اور میں نے کئی بار تجربہ کیا، امریکہ اور یورپ کے دورہ میں خاص طور پر کہ میں بعض اوقات بالکل خالی الذہن ہوتا تھا، پے درپے پروگرام ہوتے تھے، ابھی ایک جگہ سے آیا، دوسری جگہ سے آیا، کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ بات کہاں سے شروع کروں اور کیا بات کہوں، میں نے قاری پر چھوڑ دیا، قاری نے آیت پڑھی اور گویا بالکل میرے لئے آیت پڑھی۔

حضرات!

میں اس مرکز کے ذمہ داروں، خاص طور پر محترمی مناظر احسن صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے مجھے مدعو کرکے اس قابلِ قدر مرکز کے معائنہ کا موقع دیا، میں آپ کے علمی تحقیقی اور تربیتی و اشاعتی شعبوں، اور اس عظیم عمارت اور اس کے سلیقہ و نظام کو دیکھ کر بہت مسرور ہوں لیکن میں دین کے ایک طالب علم کی حیثیت سے یہ بات ضرور کہوں گا کہ دعوتی و تعلیمی مرکز کو کسی خاص مکتبِ خیال، دعوت و جماعت کی تشہیر و دعوت کا ذریعہ نہ بنایا جائے، صرف اللہ کی رضا مطلوب ہو، اور یہ کہ اسلام اپنی صحیح و عمومی شکل میں دوسروں تک پہنچے اور اللہ ان کو ہدایت دے، اس کا ثواب اُن کو ضرور پہنچے گا، جنھوں نے اسلام کے تعارف و تفہیم کی طرف رہبری کی اور اس کا سامان مہیّا اور مواد فراہم کیا، لیکن اس میں جماعتی عصبیّت یا

شخصی تقدّس وعظمت کا عقیدہ نہیں ہونا چاہئے، اسلام کو بحیثیت اسلام و دینِ حق کے پیش کرنا چاہئے، اس میں کسی کی اجارہ داری نہیں، ہمارا شعار اور اعلان خاص طور پر عیسائی ملک اور مغربی ماحول میں وہی ہونا چاہئے جس کی قرآن نے تعلیم دی ہے :-

تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ۔ (سورۃ آل عمران۔ ۶۴)	جو بات ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں (تسلیم کی گئی) ہے اس کی طرف آؤ وہ یہ کہ خدا کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو خدا کے سوا اپنا کارساز نہ سمجھے۔

میں شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے یہ اعزاز بخشا، اعتماد کا اظہار فرمایا اور خطاب کا موقع دیا۔

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین۔